

مجھے وہاں لے جانے سے انکار کر دیا۔ میں خود اس کھنڈر کی طرف چل پڑا۔ برسات کی وجہ سے گھاس اور جھاڑیاں کمر تک بڑھ گئی تھیں اور راستہ مسدود ہو چکا تھا۔ تاہم میں اپنے کپڑے سمیٹتا اور بچاتا ہوا اس کھنڈر تک پہنچ گیا۔ ایک طرف سے دیوار کی اینٹیں اکھڑی ہوئی تھیں اور میں اُن کے سہارے اوپر چڑھ گیا۔ اوپر جا کر معلوم ہوا کہ وہ مسجد ہے۔ میں دیوار پر چلتے چلتے دوسری جانب گیا تو شیخ فرید کا مزار نظر آگیا۔ ذرا فاصلہ پر ایک شخص جھاڑیاں کاٹ رہا تھا۔ میں نے اُسے آواز دے کر نیچے آنے کا راستہ پوچھا تو اس نے بتایا کہ ایک طرف کو زینہ موجود ہے۔ میں زینہ کے راستے نیچے آیا اور مسجد سے نکل کر اس ملحق ایک قبرستان کی چار دیواری میں داخل ہوا۔ وہاں جھاڑیاں بہت بڑی ہو چکی تھیں۔ اس لیے بادل خواستہ میں پختہ قبروں کے اوپر سے پھلا گستا ہوا شیخ فرید کے مزار تک پہنچا۔ قبر کا تعویذ لہو ہے کے مضبوط جنگلے کے اندر ہے اور تعویذ کے سرانے قد آدم لوح نصب ہے۔ اس لوح پر عبارت کندہ ہونے کی بجائے EMBOSSED (اچھڑیوں حروف) ہے۔ یہ عبارت پڑھنے کے لیے مجھے جنگلہ پھلا گستا پڑا اور تعویذ پر کھڑا ہونا پڑا۔ میں نے شیخ فرید کے لیے دعائے مغفرت کی اور ان کی روح سے رگستاخی کی معافی مانگی۔ لوح کی عبارت درج ذیل ہے:

یا اللہ

سبحان الملک الحمی الذی لا یموت ولا یفوت در زمان دولت حضرت
 عرش آشیانی جلال الدین اکبر بادشاہ غازی شیخ فرید الدین ابن
 تیبہ حمزہ بخاری بغنیات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم و در عہد ہدایت نورانی
 جہانگیر بادشاہ ابن اکبر بادشاہ بخطاب مرتضیٰ خانی سر فرزند گزید
 بناریخ ۹۰۰ جلوس مطابق ۱۰۲۵ھ بمجرى بر صحت الہی
 پیوست۔

مرتضیٰ خاں جو بہن دا صل شد گشت اقلیم بقا مفتوحش
 بہر تاریخ ملائک گفتند باد پر نور الہی روحش نکلا
 میں جنگلہ چھلانگ کر اندر تو داخل ہو گیا لیکن باہر نکلتا دشوار ہو گیا قریبی
 قبر جس پر چڑھ کر میں اندر داخل ہوا تھا، چھلانگ لگانے کے لیے مناسب نہ تھی۔
 ارد گرد بڑی بڑی جھاڑیاں تھیں۔ میری بوشرٹ جنگلے کی نوکوں میں الجھ رہی تھی۔ خدا
 خدا کر کے میں جنگلے سے باہر نکلا۔

اس قبرستان میں ایک دیوار پر حکمہ آثار قدیمہ کا بورڈ آویزاں ہے اور بظاہر یہ جگہ
 محفوظ ہے لیکن درحقیقت اس سے زیادہ غیر محفوظ اور غلیظ اور کوئی جگہ میں نے
 دہلی میں نہیں دیکھی۔ یوب ویل کے ملازمین سادات کرام کے اس خاندانی قبرستان کو بیت الخلا
 کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ زمین پر چونکہ جھاڑیاں اگی ہوئی ہیں اس لیے انھیں پختہ
 قبروں پر بیٹھ کر رفع حاجت میں آسانی رہتی ہے۔ مغلیہ حکومت کے رکن رکن کے مزار اور
 سادات کرام کے اس تاریخی قبرستان کی یہ حالت دیکھ کر مجھے رنج ہوا۔ جس شخص کے دم
 قدم سے کئی خانقاہوں اور مزاروں کی رونق قائم تھی اس کی اپنی قبر کس خستہ حالت میں ہے۔
 راقم الحروف نے پروفیسر خلیق احمد نظامی اور سید برکات احمد سے یہ درخواست کی وہ حکیم
 عبدالمجید صاحب، چیئرمین ہمدرد فاؤنڈیشن دہلی کی توجہ اس طرف مبذول کرائیں اور موصوف
 اپنے انور سوخ سے اس تاریخی یادگار کی کماحقہ حفاظت کا انتظام کرائیں۔

۱۲۷ شیخ محمد اکرام نے رود کوٹھ میں شیخ فرید بخاری کے مزار کا کتبہ نقل کیا ہے مرحوم فرید بخاری
 اور سید محمد بخاری کے درمیان ”ایہ“ حذف کر گئے ہیں۔ اسی طرح انھوں نے اکبر بادشاہ کو اکبر بادشاہ
 بنا دیا ہے۔ لوح مزار پر تغلی یا ئے مروت کے ساتھ ہے، انھوں نے یا ئے مہول کے ساتھ تھری کیلے۔
 اسی طرح ”خانی“ کو انھوں نے ”خان“ لکھا ہے۔ مزید برآں موصوف نے ”جو“ کو ”چو“ بنا دیا ہے
 ملاحظہ ہو: رود کوٹھ، ص ۱۸۹۔

مجاہد آزادی

مولانا احمد اللہ شاہ فاروقی گویا موی

جناب محمد صلاح الدین عمری تعلم ایم۔ اے عربی علیگڑھ یونیورسٹی۔

مجاہد آزادی مولانا احمد اللہ شاہ فاروقی دلاور جنگ سے متعلق محترم ہدایت الرحمن

صاحب محسنی کا ایک مقالہ مارچ دہائی کے برہان میں نظر سے گذرا۔ مولانا احمد اللہ شاہ

شہید پر تحریک آزادی کے صد سالہ برسی ۱۹۵۷ء کے موقع پر اس کے بعد اخبارات

ورسائل میں بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ لیکن علاوہ چند مشہور جنگی واقعات کے ان سب

مضامین و مقالات کا مواد کا مآخذ یا توسیعی سہائی باتوں اور زیادہ سے زیادہ غیر منظم

انگریز مصنفین کی تصانیف پر منحصر ہیں خصوصاً مولانا شہید کے خاندان، وطن اور ملی

ملا جملہ کے بارے میں مصنفین، مقالہ نگاروں اور مضمون نویسوں میں اتنا اختلاف

ہے کہ کسی بھی فیصلہ پر پہنچنا دشوار معلوم ہوتا ہے کسی نے انگریز

ملا جملہ کے بارے میں مصنفین، مقالہ نگاروں اور مضمون نویسوں میں اتنا اختلاف

ہے کہ کسی بھی فیصلہ پر پہنچنا دشوار معلوم ہوتا ہے کسی نے انگریز

ملا جملہ کے بارے میں مصنفین، مقالہ نگاروں اور مضمون نویسوں میں اتنا اختلاف

ہے کہ کسی بھی فیصلہ پر پہنچنا دشوار معلوم ہوتا ہے کسی نے انگریز

ملا جملہ کے بارے میں مصنفین، مقالہ نگاروں اور مضمون نویسوں میں اتنا اختلاف

ہے کہ کسی بھی فیصلہ پر پہنچنا دشوار معلوم ہوتا ہے کسی نے انگریز

ملا جملہ کے بارے میں مصنفین، مقالہ نگاروں اور مضمون نویسوں میں اتنا اختلاف

ہے کہ کسی بھی فیصلہ پر پہنچنا دشوار معلوم ہوتا ہے کسی نے انگریز

ملا جملہ کے بارے میں مصنفین، مقالہ نگاروں اور مضمون نویسوں میں اتنا اختلاف

ستمبر ۱۹۸۲ء

۵۵

برہان دہلی

الاجاہ اول نے سلطان حیدر علی سے دوستی کی بنا پر اپنے دوسرے بیٹے نواب غلام حسن صاحب الملک بہادر کا عرف ٹیپو سلطان کے نام پر ٹیپو بادشاہ لکھا تھا اور مضمون نگار نے مولانا احمد اللہ شاہ کے چچا ٹیپو بادشاہ کو ٹیپو سلطان سمجھ کر اس کی اولاد لکھ دیا۔ مصنف طلوع سحر (مطبوعہ الآباد ۱۹۵۷ء) نے لکھا ہے کہ نواب جیتا تین، (میسور) نواب دالاجاہ بہادر اول سید محمد علی بنیرہ سید ابوالحسن تانا شاہ کے خاندان سے شاہ احمد اللہ کا تعلق تھا۔ بھارت میں انگریزی راج کے مصنف نے لکھا ہے کہ مولانا احمد اللہ شاہ فیض آباد کے تعلقہ داروں میں سے تھے۔

طلوع سحر کے ہی مصنف نے اپنا نامہ ذریعہ لکھنؤ میں ایک مضمون ”روزنامہ قیصر نامہ فارسی“ (جو بقول ان کے نواب سلطان جہاں بیگم قیصر لکھنؤ کا روزنامہ ہے) لکھا ہے۔ جو اس روزنامہ کا اردو میں ترجمہ ہے، جس کا ایک ٹکڑا ہے کہ نواب احمد نگر مدد راسی کے صاحبزادہ شاہ احمد اللہ دلاور جنگ جو بلند پایہ خاندان سے منسلک تھے، اس اقتباس سے یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ آیا احمد نگر کسی انسان کا نام تھا یا کوئی مدد راسی بزرگ احمد نگر (ہمارا شرط کے کسی مقام) میں نواب تھے۔

لیکن ۱۸ اگست ۱۹۶۳ء کو مرحوم شیخ تصدق حسین صاحب ایڈووکیٹ، لکھنؤ نے اپنا ایک مقالہ جنگ آزادی کے مجاہد احمد اللہ شاہ کے عنوان سے بحوالہ اخبار المزمع (جنگی محل لکھنؤ) مارچ ۱۹۵۷ء (ریڈیو اسٹیشن لکھنؤ سے نشر کرتے ہوئے کہا کہ ”ان کے پر دادا نواب سید انور العین خاں بہادر شہامت جنگ تھے جو ابتداء میں قصبہ گوپا متو صلیع ہر دوئی کے باشندے تھے۔ جن کے بیٹے محمد علی خاں دالاجاہ صاحب ارکاٹ تھے۔ آخر الذکر کے محنت و جگر عمدۃ الامراء غلام حسین خاں نواب جیتا تین مدد راسی تھے۔ جن کے نور نذر دلاور جنگ تھے جن کا اصل نام احمد علی تھا، احمد علی اور جنگ ہی کو ان کے پیر و مرشد کی طرف سے احمد اللہ شاہ کا لقب عطا ہوا۔

چونکہ مولانا احمد اٹل شاہ شہید جہادی تحریک کا آغاز فیض آباد سے ہوا اسی فیض آبادی تحریک کی بنا پر سب سے پہلے کرنل بیسن نے انھیں مولوی فیض آبادی لکھ کر کٹھن ملاعت بناتے ہوئے باغی کے خطاب سے نوازا۔ اس کے بعد تقریباً ہر مضمون نگار اور مقالہ نویس نے ہی ان کو فیض آبادی بھی لکھا اور باغی بھی۔ البتہ شیخ صدق حسین صاحب نے سب سے پہلے اپنی تحقیقی کاوش سے اپنے مقالہ میں یہ لکھ کر پردہ فاش کیا کہ نہ تو وہ فیض آبادی تھے اور نہ باغی بلکہ وہ ایک نواب زادے اور درویش صفت مجاہد تھے جو قصبہ گوپامو کے مشہور و معروف فاروقی خاندان کے ایک فرد تھے۔

اس کے بعد مولانا محمد ابراہیم خاں فاروقی گوپامو نے انتہائی کاوش و جستجو کے بعد اپنی معرکہ الآراء کتاب "ماثر دلاوری" لکھی جس کا محرک دراصل شیخ صاحب کا یہی مقالہ تھا۔ اس مقالہ کو سننے کے بعد مولانا کو احمد اٹل شاہ کی سوانح لکھنے کا خیال پیدا ہوا، حسن اتفاق سے مولانا کو انتہائی تلاش و جستجو اور تگ و دو کے بعد ایک مثنوی "تواریخ احمدی" ہاتھ لگ گئی جس کے مصنف مولانا فتح محمد تائب لکھنوی ہیں۔

مولانا فتح محمد تائب لکھنوی، مولانا احمد اٹل شاہ شہید کے ایک پر جوش معتقد اور مرید تھے۔ انھیں کی تصنیف کردہ یہ مثنوی تواریخ احمدی ۱۹۳۵ء میں مطبع تیغ بہادر میں طبع ہوئی۔ مرشد کی شہادت کے بعد ان کو اپنے مرشد کی ان عظیم معرکہ آرائیوں کو قلمبند کرنے کا خیال آیا جو انھوں نے پہلی جنگ عظیم ۱۸۵۷ء میں انجام دی تھیں لیکن چونکہ فن شعر گوئی میں دسترس حاصل نہیں تھی اس لیے پہلے لکھنؤ کے کسی استاد سے غزل گوئی میں ہارت حاصل کی۔ خیال یہ ہے کہ مصحفی، یا نسخ یا آتش کے شاگردوں میں سے کوئی استاد درہا ہو گا۔ غزل گوئی میں ہارت حاصل کرنے کے بعد خواب میں مرشد کی اجازت سے یہ مثنوی لکھنی شروع کی جو ۱۹۷۳ء میں مکمل ہو گئی مولانا فتح محمد کو شخص تائب بھی خواب میں مرشد نے عطا کیا تھا۔

گماہوں کی فحلت سے تھا آب آب عنایت کیا مجھ کو تا تب خطاب
اس مشنوی کی خصوصیات میں اولین خوبی یہ ہے کہ اس میں واقعات کی روایت و
روایت کا لحاظ ایک ذمہ دار مورخ کی حیثیت سے رکھا گیا ہے۔ غیر معتبر روایات کو قطعاً
رد کر دیا ہے۔ اسناد و واقعات کے سلسلہ میں مولانا تا تب خدا کو گواہ بنا کر لکھتے ہیں^(۱)

میرے قول کا شاہد اللہ ہے عیاں اور نہاں سے جو آگاہ ہے

کہ حرف دروغ اس میں کوئی نہیں مجھے عادت ہرزہ گوئی نہیں

کیا ہے ہذا اختلافات سے عجائب سے صنف روایات سے

وہ بے اصل باتیں جو افواہ ہیں بہت عقل سے دور اللہ ہیں

پوری مشنوی حقیقت نگاری کی لیک بہترین مثال ہے۔ مشنوی تواریخ احمدی کو
اگر سوانح مولانا احمد اللہ شاہ کہا جائے تو بے نہ ہو گا۔ تواریخ احمدی اس کا تاریخ نام
”تواریخ“ ہو ”احمدی“ سے جو ضم نکل آئے تواریخ و سال رقم لے

تواریخ احمدی کے اعداد (۱۲۸۰) ہوتے ہیں جو تصنیف کا آخری سال ہے۔
ابتداء میں مولانا تا تب کا نام فتح بہادر اور ان کے بھائی کا نام تیغ بہادر تھا۔ انھیں
کے نام پر مطبع تیغ بہادر تھا جس میں یشنوی طبع ہوئی ان کے والد کا نام راجہ دین دیاں
بہادر تھا جو ضلع بارہ بنکی کے تعلقہ دار تھے۔ فتح بہادر اور تیغ بہادر ان کی مسلمان بیگم
سے تھے جو مسلمان ہی رہے۔ فتح بہادر بعد میں فتح محمد ہو گئے اور حضرت مولانا عبدالحی فرنگی
علی کے ممتاز شاگردوں میں رہے اس کے بعد دوسرے اساتذہ سے بھی استفادہ کیا۔
سلسلہ طریقت میں پہلے حضرت مولانا احمد اللہ شاہ شہید اور پھر سید قربان علی شاہ جے پور
جو احمد اللہ شاہ کے مرشد اول تھے، سے استفادہ کیا۔ مولانا احمد اللہ شاہ کی شہادت

۱۔ یشنوی تواریخ احمدی۔ ۲۔ یشنوی تواریخ احمدی۔

ستمبر ۱۹۸۷ء

۵۸

برہان دہلی

کے بعد مثنوی تصنیف زمانے اور حضرت سید قربان علی شاہ کی خدمت میں پیش فرما کر رائے کے طالب ہوئے۔ چنانچہ خود فرماتے ہیں کہ ”مثنوی پیش کر کے جب اظہار رائے کے لیے عرض کیا تو حضرت سید قربان علی شاہ نے اشارہ فرمایا، — یہ مثنوی جسے اعدا قلم آسانی ہے، حرف درست اور حق ہے۔“ وغیرہ وغیرہ۔

مولانا محمد ابراہیم فاروقی کی تصنیف ”ماثر دلاوری کے مآخذوں میں شیخ تھقہ حسین صاحب کے مقالہ کے ساتھ ساتھ جو اس تصنیف کا محرک ہوا، مثنوی توارخ احمدی کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔

مولانا فاروقی اپنی کتاب ”ماثر دلاوری میں لکھتے ہیں کہ ”غرض کہ حضرت ترم خیزہ تصدق حسین صاحب موصوف کے نشر شدہ مقالہ نے میرے لیے تحقیق کا دروازہ کھولا دیا ورنہ میں بھی نام نہاد مصنفین کی تصانیف اور مقالہ نویسوں کے مضامین سے کافی متا ہو چکا تھا۔“ آگے چل کر لکھتے ہیں کہ ”میرے والد بزرگوار حضرت مولانا حافظ محمد صبیح صاحب نے ایک بار اپنے بچپن کا یہ واقعہ ضمناً بیان فرمایا تھا کہ:

”احمد اللہ شاہ مدراسی معہ اپنی جمیعت کے یہاں (گوپامو) آئے تھے۔“ مولانا تائب، حضرت احمد اللہ کے تفصیل نسب سے ناواقفیت کا اظہار کر رہے ہوئے لکھتے ہیں کہ

نسب نامہ سرور پاک دیں یہ تفصیل مجھ کو معلوم نہیں
آگے چل کر لکھتے ہیں:

قربت انھیں تھی بلا اشتباہ سوئے سید نور الحسن طبعہ (نانا) شاہ
اس قربت کی تفصیل قاضی مصطفیٰ علی خاں بہادر فاروقی گوپامو نے اپنی

۱۔ مثنوی توارخ احمدی۔ ۲۔ مآثر دلاوری ۳۔ مثنوی توارخ احمدی۔